© rasailojaraid.com

ڈاکٹر مختار الدین احمد :

گوشۂ اختر میں شامل "مکاتیبِ اختر" مرتبہ مختار الدین احمد کے مکتوب ۲۷ سے متعلق اضافی معلومات

مکتوب (۲۷): سید باقر علی ، مانگرول کے مشہور ترمذی خاندان سے تعلق رکھتے تھے ، ان کے دادا ایک اچھے شاعر تھے اور ان کے والد سید محمد علی ترمذی کی جونا گڑھ کالج میں فارسی اور عربی کے استاد سید باقر علی کو علمی ذوق اپنے بزرگوں سے وراثت میں ملا۔ علمی ذوق کے ساتھ وہ بلا کے محنتی اور جفاکش تھے۔ انھوں نے اپریل ۱۹۴۰ء میں ایم اے (عربی) کے امتحان میں اول درجہ ہی حاصل نہیں کیا بلکہ وہ چانسلر کے طلائی تمغے کے بھی مستحق ٹھہرے جو بمبئی یونیورسٹی میں ایک بڑا اعزاز ہے - ایم اے کی تکمیل کے بعد وہ بمبئی سے جونا گڑھ واپس چلے گئے جہاں وہ دو تین سال تک جونا گڑھ کے مہابت مدرسہ ، بہاء الدین کالج اور راجکوٹ کالج میں بھی معلمی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۲۶ نومبر ۱۹۴۳ء کو اسماعیل یوسف کالج جوگیشوری ، بمبئی میں ان کا تقرر ہو گیا۔یہاں کی سازگار فضا میں ان کے اصلی جوہر کھلے اور انھیں ذوق تحقیق و جستجو کی تسکین کے لیے ایک وسیع میدان مل گیا۔ انھوں نے گجرات میں عربی و اسلامیات کی خدمات کے موضوع پر جونا گڑھ ہی میں اپنے والد سید محمد علی ترمذی اور قاضی احمد میاں اختر کی رہنمائی میں کام کرنا شروع کر دیا تھا ، بمبئی میں ڈاکٹر بذل الرحمٰن اور پروفیسر نجیب اشرف ندوی نے ان کی حوصلہ افزائی اور علمی مدد کی۔ اپنے مقالہ علمیہ کے سلسلے میں انھوں نے علامہ عبدالعزیز میمن پروفیسر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بھی استفادہ کیا۔ اپنے شفیق استاد ڈاکٹر حسین الہمدانی کی رہنمائی میں انھوں نے اپنا مقالہ مکمل کرکے ۱۹۴۷ء میں یونیورسٹی میں پیش کیا جس پر انھیں ڈاکٹریٹ تفویض ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے حکومت ہند کے وظیفے پر وہ اکتوبر نومبر ۱۹۵۰ء کو قاہرہ یونیورسٹی میں تعلیم کے لیے مصر گئے جہاں وہ تقریباً ۳۵ سال کی عمر میں ۱۱ جون ۱۹۵۱ء کو وفات پاگئے۔

ان کی وفات پر ان کے ایک استاد پروفیسر محمد ابراہیم ڈار نے اسی سال ان پر ایک مضمون لکھ کر نوائے ادب (بمبئی) میں شائع کیا تھا جو ان کے مجموعہ مضامین " مقالات ڈار " میں بھی شریک اشاعت ہے۔ میری فرمائش پر محب گرامی ڈاکٹر ضیاء الدین دیسائی سابق ڈایرکٹر محکمہ آثار قدیمہ حکومت ہند نے اس مضمون کی عکس نقل فراہم کی جس سے یہ شذرہ لکھنے میں مدد ملی - اب اس مضمون سے کچھ اقتباسات:

" [باقر علی ترمذی] زیادہ تر انگریزی میں لکھتے تھے لیکن آخر میں اردو کی جاذبیت نے انھیں اپنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرف مائل کر لیا تھا۔ آخری تین چار سال کے عرصے میں انھوں نے کئی مضمون سپردِ قلم کیے جو ہندوستان، پاکستان، انگلستان اور جنوبی افریقہ کے جرائد و رسائل میں شائع ہوئے۔ یوں تو ان کے مضامین تفتیش و تحقیق کے آئینہ دار ہوتے تھے لیکن ان کا شاید بہترین علمی مضمون وہ تھا جو انھوں نے نومبر ۱۹۴۸ء میں آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کے اجلاس بمبئی میں پڑھا اور اسلامک کلچر (حیدرآباد) کے شمارہ بابت اکتوبر ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا۔ اس محققانہ میں انھوں نے مسلمان سیاحوں کے بیانات کی مدد سے یہ بات پایہ تحقیق تک پہنچائی ہے کہ ایران میں زرتشتیوں کے آتش کدے بالکل سرد نہیں پڑ گئے تھے، بلکہ چھٹی اور ساتویں ہجری تک مشہور عبادات گاہوں میں مقدس آتش حسب دستور روشن تھی۔ انھوں نے ایک اردو مثنوی جنگ نامہ رُستم علی خاں مرتب کرکے اس پر ایک بسیط مقدمہ لکھا تھا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ انھیں کتاب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی میں ملا تھا۔ "نوائے ادب" کا "مقالہ نما" انھی کی دماغی اُپج کی پیداوار ہے۔ اردو رسائل نے اس "بدعت حسنہ" کا جس تپاک سے خیرمقدم کیا وہ باقر علی کے ذہن کی تیزی و براقی پر شاہد عادل ہے"

"مذہبی عقائد میں باقر علی بڑے پکے حنفی تھے اور دیوبند کی گلابی وہابیت کو بھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ شروع شروع میں ان کے رفقاء کار کو بھی شبہہ ہونے لگا کہ شاید وہ "بریلویت" کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ لیکن خود باقر علی کو "بریلوی" کہلانا پسند نہ تھا۔ مذہبی معاملات میں وہ تجدد اور عقلیت کے سخت مخالف تھے، لیکن اس راسخ الاعتقادی کے باوجود ان میں کافی رواداری تھی انھوں نے اپنے دوستوں سے مذہبی امور میں بارہا بحث و مباحثہ کیا لیکن اس میں کبھی تلخی پیدا ہونے نہیں دی۔ ماہ رمضان میں روزہ قضا نہ ہونے دیتے اور بلا ناغہ باندرہ کی جامع مسجد میں نماز تراویح ادا کرتے تھے۔ اسمٰعیل کالج کی مسجد میں خطیب کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ ان کا خطبہ ماقل و دل کی مثال لیے ہوتا۔ پروفیسر نجیب اشرف ندوی اکثر ان کے مختصر مگر جامع خطبے کی تعریف کرتے۔" "ان کے مذہبی خیالات میں ایک قسم کا تصلب پایا جاتا تھا لیکن وہ زندہ دل، شگفتہ مزاج اور یار باش تھے، خلوت سے زیادہ انھیں جلوت پسند تھی۔ ہر وقت دوستوں کے جھرمٹ میں نظر آتے تھے۔" وہ "مراسلت کو بڑی اہمیت دیتے اور جی لگا کر خط لکھتے۔ ویسے تو ان کے خطوط اکثر دلچسپ ہوا کرتے تھے لیکن ان کے وہ خطوط جو انھوں نے قاہرہ سے لکھے ہیں دلچسپی، رنگینی اور دلکشی کا نہایت عمدہ مرقع ہیں۔ آٹھ آٹھ دس صفحے کا خط لکھتے لیکن اس طوالت کے باوجود دلچسپی میں کوئی فرق نہ آنے دیتے۔ ان کے خطوط ایک ادبی شان لیے ہوتے۔ چنانچہ ارادہ ہے کہ ان کے خطوط کے [illegible]ن اقتباسات شائع کر دیے جائیں"۔

شفیق استاد (پروفیسر محمد ابراہیم ڈار) ان کے خطوط شائع نہ کر سکے اور دو سال کے اندر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بمبئی میں ۱۷ مئی ۱۹۵۳ء کو وفات پاگئے - رہے نام اللہ کا-

ڈار صاحب کے داماد اور ہندوستان کے مشہور فارسی اسکالر اور کتبہ شناس ڈاکٹر ضیاء الدین دیسائی ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں :

" پروفیسر ہالی پوٹا اور ڈاکٹر نبی بخش بلوچ ، جو الحمد للہ ہم میں موجود ہیں [اور حیدرآباد سندھ میں مقیم] ، باقر علی کے ہم عصر تھے اور ان کے والد [پروفیسر سید محمد علی ترمذی] کے شاگرد- مجھے بھی باقر علی مرحوم کے ساتھ ایک سال کالج میں فارسی ، اردو کے معلم کی حیثیت سے جون ۱۹۴۸ء تا مارچ ۱۹۴۹ء کام کرنے کی سعادت اور ان کے کالج اور باندرہ میں دن رات کی صحبت سے مستفید ہونے کا موقع ملا تھا-"

دیسائی صاحب مزید لکھتے ہیں :

ترمذی صاحب نے بمبئی میں غالباً ۱۹۴۸ء میں انڈو عرب ایسو سی ایشن یا سوسائٹی کے نام سے ایک انجمن قائم کی تھی جس کے وہ سکریٹری اور روح و رواں تھے- غالباً پروفیسر حسین ایف الہمدانی اس کے صدر تھے - اس انجمن کا ایک رسالہ بھی وہ نکالنا چاہتے تھے - چنانچہ انھوں نے " العروہ" نام سے اس کا ایک شمارہ بھی شائع کیا تھا- ڈاکٹر ہمدانی ، آزادی کے بعد کراچی چلے گئے اور پھر وہ مصر میں پاکستان کے سفیر بن گئے-"

مرحوم کا مقالہ [جس پر انھیں ڈاکٹریٹ ملی] شائع نہیں ہوا - کسی زمانے میں میں نے سید اوصاف علی صاحب ، ڈائریکٹر اسلامک اسٹیڈیز ، ہمدرد نئی دہلی کو [اس کی اشاعت کے لیے] کہا تھا - لیکن موصوف نے مجبوری کا اظہار کیا- اس کی ایک کاپی اس غرض ہی ان کے بھائی نے مجھے دی تھی ، میں نے وہ اپنے دوست اور ہم جماعت پروفیسر احمد حسین قریشی مرحوم کو دی تھی کہ اس کا اردو ترجمہ گجرات اردو اکاڈمی جس کے وہ سرگرم رکن تھے ، شائع کرے لیکن ان کے انتقال کے بعد پتا نہیں چلا کہ وہ تھیسں کہاں ہے- مجھے اس کا بہت صدمہ ہے - بمبئی یونیورسٹی لائبریری میں اس کا ایک نسخہ محفوظ ہے "-

" جیسا کہ آپ کو معلوم ہے قاضی احمد میاں صاحب اختر نے جوناگڑھ کن حالات میں چھوڑا تھا- وہ بڑی مشکل سے بندر دیو (جو ان دنوں پرتگال کے تحت تھا) پہنچے اور وہاں کچھ دن رہنے کے بعد کسی طرح کراچی جا پائے- یہ مرحوم باقر علی صاحب کی ہمت اور Resourcefulness تھی کہ انھوں نے بمبئی سے کئی مرتبہ جوناگڑھ جاکر مرحوم قاضی صاحب کا کتابخانہ کراچی پہنچوایا ، دیو وغیرہ سے کشتیوں کے ذریعے- یہ مجھے ڈار صاحب نے بتایا تھا ، تفصیلات اب یاد نہیں - پتا نہیں خود قاضی صاحب کے کتب خانے اور ان کے کاغذات کا کیا حال ہے "-

(مکتوب ڈاکٹر ضیاء الدین دیسائی بنام مختارالدین احمد- مورخہ ۲۸ جون ۱۹۹۵ء) - ترمذی

© rasailojaraid.com